مولانا قاضی سلیم اللہ

تصوف کی حقیقت

(کتاب وسنت کی روشنی میں)

علامہ اقبال کا ایک شعر ہے:

پروانے کو چراغ ہے' بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

شیخ ابو النصر سراج نے کتاب "اللمع" میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے جنگ تبوک کے موقعے پر حضرت صدیق اکبر سے دریافت کیا کہ اہل دعیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ خدا اور رسول کو۔ یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا' جو انسانی زبان سے ادا ہوا۔ ہمارا موضوع ہے کہ تصوف کی اصلیت کیا ہے' اسے اسلام کے بنیادی افکار سے کتنا تعلق ہے' نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی زندگیوں سے کہاں تک اس کی تصدیق ہوتی ہے؟

منکرین تصوف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن وحدیث میں نہ کہیں صوفیہ کا ذکر آیا ہے نہ تصوف کا۔ اس لئے تصوف کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن محقق علماء اور برحق صوفیاء جس تصوف کے قائل ہیں کلام مجید اس کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت ایسے الفاظ و عبارات موجود ہیں جن سے اہل تصوف ہی مراد ہیں مثلاً صادقین، قانتین، خاشعین، موقنین، مخلصین، وغیرہ۔

معترضین کا ایک گروہ کہتا ہے عہد رسالت میں کوئی شخص صوفی کے للقب سے یادنہیں کیا جاتا تھا اور یہ اصطلاح بہت بعد کو ایجاد ہوئی ہے' اس لئے اسے کوئی وقعت نہیں دی جاسکتی' اس کا معقول جواب یہ ہے کہ اصحاب رسول کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہوہی نہیں سکتا تھا، اس لئے ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف اور اعظم فضیلت صحابیت تھی کہ صحبت رسول ﷺ دیگر اوصاف حمیدہ اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا زہد، توکل، عبادت صبرورضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ان سب پر ان کا "شرف صحابیت" غالب تھا' پس جس شخص کو لفظ صحابی کے ساتھ ملقب کردیا گیا تو اس کے فضائل کی انتہا ہوگئی اور کوئی محل ہی باقی نہیں رہا کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لقب کے ساتھ یاد کیا جائے۔ باقی یہ کہنا کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کردہ ہے اور متاخرین کی اختراع ہے سو یہ قول بلکل غلط ہے، اس لئے کہ یہ لفظ حسن بصری کے زمانے میں رائج تھا۔ حالانکہ حضرت حسن بصری کا زمانہ بعض صحابیوں کی معاصرت کا تھا، چنانچہ ان کے اور حضرت سفیان ثوری کے اقوال میں یہ لفظ صوفی استعمال ہوا ہے۔ بلکہ کتاب اخبار مکہ کی ایک روایت کے مطابق یہ لفظ عہد اسلام سے پہلے بھی رائج تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لئے مستعمل ہوتا تھا۔

رسالہ قشیریہ میں امام ابو القاسم رقمطراز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسلمان کے لئے سب سے زیادہ افضل اور پرفخر لقب صحابی ہی ہوسکتا تھا، چنانچہ اسی وقت کے افاضل اس سے موسوم ہوئے، ان کے بعد جو دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان کے لئے تابعین کی اصطلاح چلی اور ان کو دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے۔ اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور طرح طرح کے لوگ پیدا ہوئے تو جن لوگوں کو دینی امور میں زیادہ غلو و انہماک ہوا انہیں زہاد و عباد کہا جانے لگا، لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور امت فرقوں میں بٹ گئی تو ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ عباد و زہاد ان میں ہیں، اس وقت اہل سنت کے طبقہ خاص نے ذکر الٰہی میں مشغول اور دنیوی غفلتوں سے دور

رہنے والوں کے لئے اہل تصوف کی اصطلاح قائم کی اور ہجرت رسول کو ابھی دو صدیاں نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس خاص طبقہ کے اکابر کے لئے مخصوص ہوگیا۔

صوفیاء کرام اپنے عمل کا جواز قرآن و سنت سے پیش کرتے ہیں۔ تصوف کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: (۱) محبت الٰہی (۲) معیت ذاتی۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ کتاب اللہ میں خود محبت الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور بے شمار آیتوں میں اس کے نتیجے کے طور پر معیت اور قرب الٰہی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہی چیز ہے جسے تصوف کی اصطلاح میں معرفت کہتے ہیں۔ مثلاً:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنادیتے ہیں وہ ان کو اس طرح چاہنے لگتے ہیں جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے۔ حالانکہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے۔

نیز عبادت الاہی میں انہماک کے سلسلے میں ذیل کی آیات غور طلب ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم

ایسے لوگ اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کیا کرتے ہیں۔ اس طرح کی یاد اور دائمی عبادت ذکر قلبی کے سوا کیسے ممکن ہے۔

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا

جن کے پہلو رات کے خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، وہ خوف اور امید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

اسی طرح قرب الٰہی یا معرفت بھی کلام پاک سے ثابت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اقربیت او تعالیٰ بما از ما بنص قطعی ثابت شدہ است''

ادعونی استجب لکم، وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر۔

تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا، اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔

قرآن مجید میں سورۃ مزمل میں جس طرح نبی کریم ﷺ کو رات کے وقت جاگ کر عبادت کرنے کو کہا گیا ہے اس سے کثرت عبادت کا جواز نکلتا ہے۔ احادیث نبوی میں جس چیز کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تصوف ہی ہے۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث شریف پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حقیقی تصوف یہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی غار حرا میں عبادت گزاری اور اصحاب صفہ کا وجود تصوف کے مسلک کے لئے وجہ جواز پیش کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے خلوت نشینی اختیار کی اور یہ خلوت نشینی کمال کے لئے لازم ہے۔ اس کو رہبانیت قرار دینا غلط ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

یعنی غار حرا کی تنہائی اختیار کی کمال حاصل کیا پھر ایک قوم، آئین اور حکومت بنا ڈالی۔

اصحاب صفہ کا وجود خود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اکرم ﷺ عبادت میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاص طبقہ کے لئے برا نہیں سمجھتے تھے۔ سورۃ انعام اور سورۃ کہف میں ان بزرگوں کی عبادت و ریاضت کی تعریف کی گئی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

ان لوگوں کے ساتھ صبر کے ساتھ رہو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات پاک کی رضامندی چاہتے ہیں اور اپنے توجہ کی نگاہ ان کی طرف رکھ، تو دنیا کی زندگی میں زینت چاہتا ہے۔

اس واسطے رسول کریم ﷺ جہاں کہیں انہیں دیکھتے تو فرماتے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں خدا تعالیٰ نے تمہاری بابت مجھ پر عتاب فرمایا۔[9]

قرآن میں ایمان کی سب سے بڑی علامت اور خاصیت محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

اور جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔

خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی محبت سے سرشاری کی زندگی تھی۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے: اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی واھلی ومن الماء البارد (ترمذی)۔ الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے، میرے اہل وعیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب رکھ۔

علامہ شبلی کا یہ قول صوفیاء کرام کے حالات کا آئینہ دار ہے:

"الفقیر من لا یستغنی بشیء من دون اللہ۔"

فقیر حق کے سوا کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔

ان اقتباسات میں دو امور بڑے واضح ہیں:

(الف) محبت الاہی (ب) ہر طرف سے کٹ کر اسی کا ہوجانا۔ اسے تصوف میں ترک دنیا کی اصطلاح سے واضح کیا گیا ہے اور یہ درست ہے کہ بعض ناسمجھوں سے اسے رہبانیت سے جا ملایا ہے اور اس طرح ان کا عمل جمود وسکون میں بدل گیا اور تصوف کو بے عملی قرار دیا جانے لگا۔

ترک دنیا کا اصلی معنیٰ بے نیازی اور استغنا ہے، حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

''ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بند دو بنشیند، ترک دنیا آں است کہ لباس بپوشد وطعام بخورد و آنچہ میرسد روا دارد وبجمع او میل نکند وخاطر را متعلق چیزے ندارد ترک دنیا است۔''

ترک دنیا کے یہ معنیٰ نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کرے اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی جو چیز پہنچے اسے روا رکھے، لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور دل کو اس سے نہ لگائے ترک دنیا یہ ہے۔

تمام صوفیا کرام کی زندگیاں اسی استغنا پر شہادت کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی اسی کی تائید میں ایک مصرعہ فرمایا:

ع استغنا میں پایا میں نے معراج مسلمان۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے تصوف کی اصطلاحات پر ایک عالیشان کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: ''شریعت و طریقت'' اس میں فرمایا ہے کہ تصوف وہ ہے کہ اللہ اور رسول کے احکامات پر مکمل عمل کیا جائے اور نواہی سے اجتناب کیا جائے۔ تصوف وہ نہیں ہے کہ قرآن وسنت سے ہٹ کر اس کو یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب بنایا جائے۔ تصوف خالصاً اسلامی تعلیمات کی عملی صورت کا نام ہے اور جب کبھی اس میں غیر ضروری عناصر کو شامل کر کے افراط وتفریط اختیار کی گئی ہے، اپنے اپنے وقت پر ہر سلسلہ کے پیر طریقت نے اپنے اجتہاد اور مکاشفات کی بنا پر اس کی اصلاح کی ہے اور دین و دنیا کو پیش نظر رکھا ہے، ان کے ہاں نہ فرقہ بندی ہے نہ کینہ پروری۔ ذیل کی رائے کتنی صائب اور راسخ ہے:

اگر سچی درویشی اور اصل فقیری کی طلب ہے جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں بلند ہوں تو لازم ہے کہ محمد رسول اللہ کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو اور انہیں کی پیروی کرو کہ پاکیزہ اور صاف پانی وہاں ملتا ہے، جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے اور بعد کے آنے والوں کی درویشی اختیار نہ کرو کہ پانی چشمہ سے دور جا کر گدلا ہوجاتا ہے اور اس کا رنگ اصلی نہیں رہتا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے بھی اس نقطے کو واضح کیا ہے اور شاہ ولی اللہ اور علامہ اقبال کے پاس بھی یہی صراط مستقیم ہے۔ ☆